وقت کی معلومات اور حدیث کی صحت

ایک جگہ مصنف [مولانا حمید الدین فراہی] نے احادیث کی کمزوری ثابت کرتے ہوئے چند مثالیں پیش کی ہیں جن میں سے ایک وہ حدیث بھی ہے، جو بخاری اور مسلم نے وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ (سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جا رہا ہے) کی تفسیر میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے نقل کی ہے کہ **مستقرها تحت العرش** (سورج کا مستقر عرش کے نیچے ہے) اور **فانها تذهب حتی تسجد تحت العرش** (اور وہ جا رہا ہے تاکہ عرش کے نیچے سجدہ کرے)۔ مصنف نے اس حدیث کو ایسا بدیہی البطلان سمجھا کہ اس کو باطل ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرنے کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ لیکن اس قسم کا حکم لگانے میں انھوں نے ویسی ہی غلطی کی ہے، جیسی ان سے پہلے کے بہت سے لوگ کر چکے ہیں۔ اپنے عہد کی معلومات پر بسااوقات انسان اتنا زیادہ بھروسا کرنے لگتا ہے کہ گویا وہ علم کی آخری حد کو پہنچ چکا ہے، اور اسی مبالغہ آمیز اعتماد کی وجہ سے وہ اکثر ان چیزوں کو بے تکلف غلط بلکہ بدیہی البطلان قرار دے بیٹھتا ہے جو اس کے وقتی علم کے خلاف ہوتی ہیں۔ حدیث کے معاملے میں تو ایسے احکام لگا دینے کی جرات زیادہ آسان ہے کیونکہ راویوں کو جھوٹا قرار دے دینا کون سا مشکل کام ہے۔ رہا قرآن تو جو لوگ ایمان سے محروم ہیں وہ اس کو بھی نعوذ باللہ مہمل کہہ دینے میں تامل نہیں کرتے۔ البتہ اہل ایمان کو جب وہاں ایسی کوئی چیز نظر آ جاتی ہے تو وہ کچھ دیر کسمسانے کے بعد آخر کار عجیب عجیب تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ اگر علم انسانی کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو ایسے مواقع پر قطعیت کے ساتھ حکم لگا دینے کی جرات مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔

فلکیات سے متعلق کچھ مدت پہلے تک انسان کا علم اس قدر محدود تھا کہ وہ اپنے نظام شمسی ہی کو کائنات سمجھتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اس کائنات کا مرکزی نقطہ سورج ہے جو اپنی جگہ قائم ہے۔ اس علم پر اس کو اتنا وثوق تھا کہ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ (سورج چل رہا ہے) کی حقیقت ہی اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ وہ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (اپنے مستقر کی طرف جا رہا ہے) کو سمجھ سکتا۔ اسی بنا پر لوگ اس آیت کی تاویل میں ٹھوکریں کھایا کرتے تھے، اور بعض کم فہم اس سے یہ نتیجہ بھی نکال بیٹھتے تھے کہ یہ خدا کا نہیں بلکہ ایک امی عرب کا کلام ہے (نعوذ باللہ)۔ لیکن اب فلکیات کے جدید مشاہدوں سے یہ حقیقت منکشف ہو رہی ہے کہ سورج اپنے پورے نظام کو لیے ہوئے کسی طرف جا رہا ہے، اور اس نظام شمسی کے علاوہ بے شمار دوسرے

سورج اپنے

نظامات بھی ہیں جن کے مرکز اپنے متعلقین کو لیے ہوئے اسی طرح فضائے بسیط میں حرکت کر رہے ہیں۔ جن ستاروں کو اب تک ثوابت سمجھا جاتا تھا، قریب قریب وہ سب کے سب متحرک پائے گئے ہیں اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۰ میل سے ۱۰۰ میل فی سیکنڈ تک کی رفتار سے وہ اپنی جگہ چھوڑ رہے ہیں۔ اب صرف یہ امر پردۂ خفا میں رہ گیا ہے کہ وہ "مستقر" کون سا ہے جس کی طرف یہ مختلف نظامات فلکی کے مرکز رواں دواں ہیں؟ اس سوال کو انسان اب تک حل نہیں کر سکا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک اسے کائنات کے مرکز کا پتا نہیں چل سکا۔ بہت ممکن ہے کہ کائنات میں ایک مرکزی نقطہ ایسا ہو جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات کو مرتکز فرما رکھا ہو، اور وہیں سے سورج اور دوسرے نظامات کے مرکزوں پر اس قوت (انرجی) کا فیضان ہو رہا ہو جو بے حد و حساب پیمانے پر ان مرکزوں سے ہر آن ان کے تابع ستاروں پر منعکس ہوتی رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی مرکز کائنات کا نام کلام الٰہی میں عرش رکھا گیا ہو۔ ممکن ہے کہ یہی عرش اس سورج اور تمام سورجوں کا "مستقر" ہو۔ ممکن ہے کہ اسی مستقر کی طرف ان کے حرکت کرنے کو اللہ کے نبیؐ نے "سجدہ" سے تعبیر کیا ہو۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو اب تک انسان پر منکشف نہیں ہوئی ہیں۔ لیکن جو امر اس نظریے کو تقویت پہنچاتا ہے وہ یہ ہے کہ فلکی طبیعیات (Astro-physics) کے ماہرین آج تک اس سوال کو حل نہیں کر سکے ہیں کہ یہ بے حد و بے حساب قوت جو سورج سے ہر لمحے خارج ہو رہی ہے، اس کا ماخذ و منبع کیا چیز ہے؟ جتنے نظریات انھوں نے قائم کیے ہیں وہ سب تشنہ ثبوت ہیں اور تھک کر انھیں یہی کہنا پڑتا ہے کہ وہ کوئی "غیر معلوم" سرچشمہ (unknown source) ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ وہ "غیر معلوم" سرچشمہ سورج کے جِرم [جسم] میں نہیں ہے، بلکہ اس کے باہر کائنات کے مرکز میں ہے، اور وہاں محض طبیعی اسباب سے قوت پیدا نہیں ہو رہی ہے بلکہ ایک فوق الطبیعی ماخذ سے قوت کا فیضان ہو رہا ہے، **والعلم عند اللّٰہ۔**

پس یہ ایک بڑی غلطی ہے، جس پر لوگوں کو متنبہ ہو جانا چاہیے کہ انسان اپنے وقت کی معلومات کو حتمی و یقینی سمجھ لے اور ان کے خلاف جب کوئی حدیث یا آیت قرآنی نظر آئے تو اس کو مہمل قرار دینے لگے۔ انسان پر حقائق کا علم آہستہ آہستہ منکشف ہو رہا ہے اور اس ترقی کے ساتھ ساتھ وہ مسلّمات خود ہی غیر مسلّم ہوتے جاتے ہیں جن کی بنیاد پر احادیث اور آیات میں غلطیاں نکالنے کی جرات کی جاتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ احادیث میں ضعیف اور موضوع روایتیں نہیں ہیں۔ ہیں، اور ضرور ہیں۔ مگر جن حدیثوں کی سند قوی ہو ان کے معاملے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ (فاتحہ، **تفسیر نظام القرآن، مطبوعات، ترجمان القرآن**، ج ۱۴، عدد ۱، محرم ۱۳۵۸ھ، مارچ ۱۹۳۹، ص ۷۰-۷۲)